میر انیسؔ کی مرثیہ گوئی

اردو شعراء نے ہر دور میں واقعات کربلا پر اپنے درد انگیز تاثرات و احساسات کا اظہار مرثیہ کی شکل میں کیا لیکن مرثیے کی ارتقاء کا عہد زریں اس وقت شروع ہوا جب شاعری کا مرکز دہلی سے لکھنؤ منتقل ہوا۔ لکھنؤ میں ایک طرف مرثیے کے موضوع میں وسعت ہوئی، دوسری طرف اس کی ہیئت میں تبدیلی ہوئی۔ میر ضمیرؔ و میر خلیقؔ نے مرثیہ کو باقاعدہ فنی حیثیت دی۔ رزمیہ اور سراپا ایجاد کیا۔ گھوڑے اور تلوار کی جنگ کی تفصیلات پیش کیں۔ جذبات نگاری، منظر نگاری اور واقعہ نگاری کو مرثیہ میں مستقل حیثیت دی ان کی کوششوں سے مرثیہ کے ارتقاء اور روشن مستقبل کے امکانات وسیع تر ہو گئے۔ مرثیہ کی اس روایت کو مرزا دبیرؔ اور میر انیسؔ نے اپنی کوششوں سے اتنی بلندیوں تک پہنچا دیا کہ اردو زبان کا سب سے قیمتی سرمایہ بن گیا اور اس میں اتنی زیادہ وسعت پیدا ہوگئی کہ کل انسانی جذبات اس کا موضوع بن گئے اور انسان کی پوری زندگی مرثیے کے ظرف میں سما گئی۔ میر انیسؔ نے اپنے اعلیٰ ذوق، گہرے مشاہدے، فنی بصیرت، زبان و بیان پر قادر الکلامی اور داخلی و خارجی جذبات و احساسات کے امتزاج سے اردو ادب کو ایسے شاہکار مرثیے عطا کئے جو دنیا کے بڑے بڑے شاعروں کے شاہکاروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور ساری دنیا سے اردو شاعری کی عظمت تسلیم کروا سکتے ہیں۔

انیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے جو وصف ہمیں سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے وہ ان کی واقعہ نگاری ہے۔ میر انیسؔ جس واقعے یا جذبے کو بیان کرنا چاہتے ہیں اس کی تصویر کھینچ دیتے ہیں اور جن گوشوں تک عام انسانوں کی نگاہیں نہیں پہنچ پاتیں میر انیسؔ ان جزئیات کو بھی پیش کرتے ہیں جس سے اس واقعے کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور سامعین کے دلوں پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ کہیں کہیں یہ تصویر اصل سے بھی زیادہ دلکش اور حسین معلوم ہونے لگتی ہے۔ شاعرانہ واقعہ نگاری مورخانہ واقعہ نگاری سے مختلف ہوتی ہے۔ شاعر مؤرخ کی طرح صرف واقعہ کو بیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ واقعات کے بیان میں اپنے تخیل کی مدد سے رنگ آمیزی بھی کرتا

ہے لیکن اس رنگ آمیزی سے واقعات کا فطری پن متاثر نہیں ہوتا۔ میر انیس کے یہاں شاعرانہ واقعہ نگاری کی بہترین مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر میر انیس کا یہ دعویٰ بیجا نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نقاشی سے مانی و بہزاد دنگ ہیں۔

واقعہ نگاری میں حسن اور تاثیر پیدا کرنے کے لئے کہیں کہیں میر انیسؔ نے بہت زیادہ مبالغہ اور شاعرانہ خیال آرائی سے کام لیا ہے جس سے بہ ظاہر حقیقت نگاری بہت زیادہ متاثر نظر آتی ہے۔ تخیل کی چمک دمک کے سامنے اصل واقعہ کچھ ماندسا پڑ گیا ہے۔ لیکن شاعرانہ صداقت کے اعتبار سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ شاعرانہ صداقت اور تاریخ نگاری میں فرق ہے۔

منظر کشی کی روایت اردو زبان میں ہمیشہ پسندیدہ سمجھی جاتی رہی ہے لیکن اس کے اچھے نمونے اردو شاعری میں کم ملتے ہیں۔ میر حسنؔ نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور میر انیسؔ نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ منظر کشی کے لئے جس بلند تخیل، مشاہدے کی گہرائی اور زور بیان کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب میر انیسؔ کے یہاں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ انہوں نے مختلف مناظر کی اتنی حسین اور دلکش تصویریں پیش کی ہیں کہ وہ اصل سے بھی زیادہ حسین اور دلکش نظر آتی ہیں۔ میر انیسؔ کبھی صبح کی دلآویزی کی تصویر پیش کرتے ہیں تو کبھی تاریکی اور تاریکی میں روشنی بکھیرنے والی قندیلوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کبھی گرمی اور دھوپ کی تپش کا نقشہ کھینچتے ہیں لیکن ان کی منظر کشی کا کمال اس وقت زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے جب وہ صبح کا سماں دکھاتے ہیں۔ صبح کی تصویریں انہوں نے اپنے کلام میں کثرت سے پیش کی ہیں۔

جذبات نگاری میں بھی انیسؔ کو کمال حاصل ہے۔ دراصل انیسؔ انسانی فطرت اور نفسیات کے بہت بڑے رازداں ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ کس وقت انسان پر کس طرح کے جذبات طاری ہوتے ہیں۔ جذبات کی مختلف کیفیات اور مدارج کو ملحوظ رکھتے ہوئے انیسؔ جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ جن حالات میں جو جذبات پیدا ہونے چاہئیں وہی جذبات وہ پیش کرتے ہیں۔ کہیں کوئی جذبہ خلاف فطرت نظر نہیں آتا۔ وہ جذبات کی فطری حالت کو سمجھتے ہوئے اتنے مؤثر انداز میں ان کو بیان کرتے ہیں کہ جذبات مصور ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ جذبات کو صراحت سے بیان کرنے کے بجائے ایسی علامات کا ذکر کر دیتے ہیں جس سے مطلوبہ جذبات خود بخود سمجھ میں آجاتے ہیں۔

انیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے جو اخلاقی قدریں ہمارے سامنے آتی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ خداشناسی اور خودشناسی، دیانت اور شرافت نفس، صبر و رضا، ایثار و قربانی، درد انسانیت، خلوص اور محبت اور حق کی راہ میں جان دے دینے کا جذبہ جو انسانیت کی معراج ہے۔ انہیں قدروں کو میر انیس نے اپنے کرداروں کی سیرت میں سمو کر پیش کیا ہے اور کہیں کہیں بلاواسطہ بھی ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

میر انیسؔ کے مرثیوں میں بہ ظاہر ایک بات خلاف واقعہ نظر آتی ہے۔ واقعات کربلا کے بیان میں اکثر وہ ہندوستانی تہذیب، ہندوستانی مناظر اور اشخاص کربلا کی سیرتوں میں ہندوستانی عنصر سمو دیتے ہیں اور عرب کی سیدھی سادی بدوی تہذیب کو ہندوستانی رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ پان کی لالی سے رنگے ہوئے ہونٹوں کا ذکر، صندل سے مانگ بھری رہنے کی دعا اور کنگنوں سے آراستہ ہاتھوں کا تذکرہ اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔ دراصل میر انیسؔ نے کربلا کی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ انہوں نے ایک مقصد کے تحت حادثہ کربلا کے اہم واقعات کو شعری پیکر میں ڈھالا ہے انہوں نے تصور کی آنکھوں سے ساری جزئیات کو ترتیب دینے کی کوشش کی ہے کہ ان حالات میں کیا ہوسکتا ہے اور کیا ہوا ہوگا، پھر ان شاعرانہ تصورات میں رنگ بھرتے چلے گئے ہیں، علاوہ ازیں میر انیسؔ کے نزدیک حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء ان آفاقی ہستیوں میں سے ہیں جو زمان و مکان کی قید سے بلند ہیں۔ وہ پوری کائنات کا قیمتی ورثہ ہیں انہیں دنیا کا ہر شخص اپنی نگاہ عقیدت سے دیکھتا ہے۔ اور یہ عقیدت انہیں اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔ میر انیسؔ کی عقیدت نے انہیں ہندوستانی رنگ میں رنگ لیا۔ پھر ایسا کرنا انسانی نفسیات کے عین مطابق بھی ہے کیونکہ میر انیسؔ نے ہندوستانیوں کے لئے یہ مرثیے لکھے تھے۔ اگر وہ ہندوستانی عناصر نہ شامل کرتے تو ان مراثی میں دل کے تاروں کو چھو لینے والی کیفیت نہ پیدا ہوتی اور اشخاص کربلا سے اپنائیت کا یہ احساس نہ پیدا ہوتا۔

انیسؔ کے مرثیوں میں قابل قدر حد تک ترتیب و تسلسل ہے۔ ان مرثیوں میں مختلف واقعات بیان کئے گئے ہیں لیکن تمام واقعات باہم اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح کا خلا محسوس نہیں ہوتا۔ وہ ایک بات کے بعد دوسری بات اس طرح شروع کرتے ہیں کہ ذہن کو دھچکا نہیں لگتا، بلکہ اس طرح اپنی بات آگے بڑھاتے ہیں کہ ذہن اس کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

میر انیسؔ کے مرثیوں کو پڑھنے سے کبھی کدورت اور وحشت نہیں پیدا ہوتی بلکہ ایک طرح کی راحت اور لذت کا احساس ہوتا ہے۔

میر انیسؔ کے مرثیے صرف معنوی حیثیت ہی سے ارفع و اعلیٰ نہیں ہیں زبان و بیان کی خوبی اور اسلوب کی دل کشی کی وجہ سے بھی وہ اپنی مثال آپ ہیں طرز ادا اور بیانات نیچرل ہیں۔ان کا بیشتر کلام سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے۔ان کے اشعار میں لطافت، رنگین بیانی و شگفتگی، نفاست، پاکیزگی اور متانت ہے۔ روانی اتنی زیادہ ہے جیسے آبشار مدھم سروں میں گنگناتا ہوا گزر رہا ہو۔ اسلوب میں دلکشی کے ساتھ ندرت اور جدت ہے۔روزمرّہ اور محاورات کا استعمال اتنا برمحل ہوا ہے کہ لگتا ہے لفظوں نے نیا جنم لیا ہے۔انیسؔ کے یہاں روزمرّہ کا استعمال بہت فطری طور پر ہوا ہے۔ اکثر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی باتیں کر رہا ہے۔الفاظ اور ترتیب الفاظ وہی ہے جو عام گفتگو میں نظر آتی ہے۔سلاست اور روانی میں انیسؔ کی زبان ضرب المثل ہے۔

فصاحت و بلاغت کا ہر پہلو میر انیسؔ کے مرثیوں میں موجود ہے۔انہوں نے اپنے کلام میں ہزاروں الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن غیر فصیح الفاظ شاید ہی نظر آئیں ہر لفظ صحیح موقع و محل پر استعمال ہوا ہے لفظی بلاغت کے ساتھ ساتھ معنوی بلاغت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔علامہ شبلیؔ نے موازنہ انیسؔ و دبیرؔ میں انیسؔ کی فصاحت و بلاغت کے جواہر اتنی خوش اسلوبی سے نمایاں کئے ہیں کہ میر انیسؔ کی فصاحت و بلاغت ضرب المثل بن گئی ہے۔

اگرچہ میر انیسؔ سادگی پہ جان دیتے تھے۔صنائع و بدائع سے انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی پھر بھی لکھنؤ کے عام مذاق سے مجبور ہو کر انہیں اس طرف بھی توجہ دینی پڑی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں صنائع و بدائع کی بے انتہا خوبیاں موجود ہیں۔یہ صنائع و بدائع انیسؔ کے یہاں اتنے فطری طور پر استعمال ہوئے ہیں کہ ان سے انیسؔ کے کلام کا حسن دوبالا ہو گیا ہے اور ان کے کلام کی معنویت بھی بڑھ گئی ہے۔تجنیس، ایہام، تنسیق الصفات، مراعاۃ النظیر، حسن تعلیل اور محاکات کی بہترین مثالیں انیس کے کلام میں کثرت سے ملتی ہیں۔اس طرح میر انیس کے مرثیے اپنی لفظی و معنوی خوبیوں کی وجہ سے اردو شاعری میں اہم مقام کے حامل ہیں۔ان کی وجہ سے فکر و فن کے ہزاروں چراغ روشن ہو گئے ہیں۔☆☆☆